اردو شاعروں کا انتخابی سلسلہ

سلام مچھلی شہری

ناشر

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

تعارف

جدید اردو شاعری میں اردو کی قدیم روایات کے احساس کے ساتھ فکر و فن کے نئے رنگ و آہنگ کی بھی جلوہ گری ہے۔ اس شاعری میں موجودہ دور کے سوز و گداز اور اس کی بصیرت و مسرت دونوں کا سامان ملتا ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند نے ان انتخابات کی اشاعت کا سلسلہ اس وجہ سے شروع کیا ہے کہ وہ لوگ جو کسی مجبوری کی بنا پر کسی شاعر کا سارا کلام نہیں پڑھ سکتے اس شاعر کے رنگ سے متعارف ہو جائیں اور انھیں اس کے تفصیلی مطالعہ کی خواہش پیدا ہو۔

کوشش کی گئی ہے کہ اس سلسلے میں موجودہ دور کے سارے اہم اور قابلِ ذکر شعرا آ جائیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ سلسلہ مقبول ہوگا۔

آل احمد سرور

اُردو شاعروں کا انتخابی سلسلہ

سلام مچھلی شہری

(انتخاب کلام سلام مچھلی شہری)

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

(جملہ حقوق محفوظ)

اشاعت — سنہ ۱۹۶۵ء
تعداد — ایک ہزار
طباعت — کوہ نور پریس دہلی

قیمت
~~۵ روپے پیسے~~

فہرست

نظمیں:

سلسلۂ آفتاب	۵
جواب	۶
نیا سویرا	۷
"ناخدا خفت است"	۸
... حُسن تنہا نہیں !	۱۰
پھر ان ہی مہ رخوں کی محفل ہیں	۱۱
رات خوبصورت ہے	۱۳
معزز تتلیو	۱۵
کیو پڈ	۱۶
کون کہتا ہے ؟	۱۷
سلمیٰ	۱۸
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے .... !	۲۰
بادلوں کے گھیرے	۲۱
نغمۂ سبو	۲۲
پس منظر	۲۳

پتھر	۲۴
ظفر زندہ باد ــــ !	۲۵
ستارے کی موت	۲۷
"نذر علی گڑھ"	۲۸
جواب	۳۰
عہدِ گل	۳۱
گیتوں کی کوئلیا بولے ــ !	۳۳
دھرتی امر ہے	۳۷
شگفتہ نعش	۳۸
عوام	۴۰
نورِ زبراب	۴۱
دھواں	۴۲
تلاش	۴۳
غزلیں :	۴۴ تا ۶۴

سلسلۂ آفتاب

(حضرت امیر خسرو کی بارگاہ میں عقیدت کے کچھ پھول)

زمیں پر اگر دیوتا کچھ نہ ہوتے تو انسان شاید پریشاں ہی رہتا
نظارے تو ہوتے۔ بہاریں تو ہوتیں مگر گلشنِ فکر ویراں ہی رہتا
حقیقت کا مفہوم واضح نہ ہوتا، اگر دل نشیں کلپنائیں نہ ہوتیں
کوئی خاص منظر مگھر ہی نہ پاتا جو اس کے لئے کچھ فضائیں نہ ہوتیں
حقیقت کی ان ضوفشاں منزلوں میں، حسیں خواب اب مُسکرانے لگے ہیں
بزرگوں نے جو دیپ روشن کئے تھے، وہی دیپ پھر جگمگانے لگے ہیں
کلا اور سنگیت کے دیپ پھر سے مقدس فضاؤں میں جلنے لگے ہیں
زہے عہدِ حاضر کہ حافظ کے بربط پہ میرا کے نغمے مچلنے لگے ہیں
مبارک کہ وادیِ گنگ و جمن میں کلا کو نئی زندگی مل رہی ہے
مبارک کہ پھر "طوطیِ ہند" خسرو کے افکار کی روشنی مل رہی ہے
نئی روشنی میں، نئے تاج محلوں، اجنتاؤں کا جنم ہونے لگا ہے
ہمارے کلا مندروں سے قریب آج روٹھا ہوا دھرم ہونے لگا ہے
ملی ہے ضیا بار تعبیر جس کی وہی خواب پہلے بھی دیکھا گیا تھا
مبارک۔ وطن کی سحر کہہ رہی ہے کہ یہ آفتابوں کا اک سلسلہ تھا!!

جواب

آسماں اب بھی تجھے ہم پہ یقیں ہے کہ نہیں
دیکھ جنّت سے بھی دل کش یہ زمیں ہے کہ نہیں

زہرۂ ہند بہ این حسنِ شعورِ تزئین
آج پہلے سے بھی کچھ اور حسیں ہے کہ نہیں

پاؤں میں "راس کماری" کی سُہانی پازیب
"کاشمر" صورتِ افشاں بہ جبیں ہے کہ نہیں

کھیتیاں کاہکشاں کی مہ و خورشید کے باغ
رشکِ فردوس ہماری یہ زمیں ہے کہ نہیں

عہدِ ایٹم میں جسے ڈھونڈھ رہی ہے دنیا
وہ سکونِ دلِ بے تاب یہیں ہے کہ نہیں

وہ جو تھا چند برس پہلے اسیرِ مغرب
وہی مستقبلِ مشرق کا امیں ہے کہ نہیں

زر فشاں ہوتے ہوئے "آٹھویں منزل" میں سلام!
اور بھی "پرچمِ سہ رنگ" حسیں ہے کہ نہیں؟!

نیا سویرا

آج بھی میرے بس میں نہیں روشنی
تیری یہ آفتابی فضا خوب ہے
رات مرمر کے کاٹی تھی اس آس میں
کتنی حسرت سے سوچا تھا بیمار نے
آمدِ صبح نو زندگی بخش ہے
حسنِ گیتی ہے اہلِ زمیں کے لئے
آج بھی جب عروسِ سحر نے مجھے
میں نے لمحے ہی بھر میں بہ حدِّ نظر
پھر بھی اے جلوۂ رنگ و بو کیا کروں
جانے کب سے یہی عالمِ نزع ہے
جانے کیوں چند مخصوص محلوں ہی تک
میرے سورج، مری صبح کے دیوتا
جن الم ناک گلیوں میں آنسو گرے
جن فسردہ لبوں سے شرارے اُٹھے

اے بہارِ طلوعِ سحر، کیا کروں
تھرتھراتی ہے میری نظر کیا کروں
صبح ہوتے ہی دنیا بدل جائے گی
دو گھڑی میں طبیعت سنبھل جائے گی
اب چمن کو شکایت خزاں کی نہیں
اب حکومت یہاں آسماں کی نہیں
پہلے پہلے افق سے اشارہ کیا
اپنے خوابوں کا پیہم نظارہ کیا
آج بھی میرے بس میں نہیں روشنی
پاس رہ کر بھی کچھ دور ہے زندگی
یہ شعاعِ مسرت بھی محدود ہے
آج بھی تو امیروں کا معبود ہے
اور تڑپ کر شگفتہ کلی بن گئے
اور ہنس کر نئی زندگی بن گئے

آج ان کا بھی کچھ حق ہے اس صبح پہ
آفتاب! اپنی کرنیں ذرا تیز کر!!

"ناخدا خفتہ است"

(۱) سحر کے بعد، اچانک ہوا کچھ ایسی چلی
کہ گلستاں میں ہر اک سو غبار چھانے لگا
ابھی سنور بھی نہ پائے تھے صبح کے گیسو
کہ ابرِ وقت بر نگِ شرار چھانے لگا
(۲) اس انجمن میں، بایں اہتمامِ آرایش
نہ جانے کیوں وہ خوشی کی فضا نہیں ملتی
شراب سامنے رکھی ہے پی نہیں سکتے
رباب چھیڑ رہے ہیں، صدا نہیں ملتی
(۳) ہماری بزم ہے، ہم بزم کو ترستے ہیں
ہمارا ساز ہے، ہم گیت سُن نہیں سکتے
ہماری صبحِ طرب ہے، ہمیں فسردہ ہیں
ہمارا باغ ہے، ہم پھول چُن نہیں سکتے
(۴) مگر گمان ہے، پھر بھی یہ باغبانوں کو
کہ ہم تو جلوۂ حُسنِ بہار دیکھیں گے
گل و سمن کو خبر کر دو، نسترن سے کہو
چمن کے دوست، چمن کا مزار دیکھیں گے

(۵) خوشا کہ طائرِ زرّیں قفس کو توڑ چکا
ہزار حیف، ابھی بال و پر کی حاجت ہے
زہے نصیب، یہ نظّارۂ بہشت نظر
ہنوز عظمتِ ذوقِ نظر کی حاجت ہے
(۶) کوئی بتاؤ یہ خوش فہم پہرہ داروں کو
کہ اب بھی قصرِ ہمالہ میں چور بیٹھے ہیں
غریب مادرِ گنگ و جمن کے سینے پر
کسے ہوئے، وہی ریشم کی ڈور بیٹھے ہیں
(۷) اُبھر چکی ہے جو بحرِ افق کے ساحل پر
وہ کشتیِ سحرِ زر نگار ڈوب نہ جائے
بچا کے لائے ہیں جس کو بھنور کے چنگل سے
وہ ناؤ پھر مرے پروردگار ڈوب نہ جائے
ہوا مخالف و شب تار و بحرِ طوفاں خیز
گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفت است

..... حُسن تنہا نہیں!

زلفِ شبگوں کی یہ نکہتِ دل نشیں
لبِ نازک پہ یہ موجۂ احمریں
ماہ تاباں بہ رُخ، کہکشاں برجبیں
حُسن ــــ اور حُسن کی اس ادا کی قسم
آج جاگے گی بزمِ محبّت کہیں!

"بول" اک گیت ہے "سانس" اک ساز ہے
آج اک بانکپن، ایک انداز ہے
آج کچھ بات ہے، آج کچھ راز ہے
میرا دل کہہ رہا ہے، خدا کی قسم
آج آئے گی شاید قیامت کہیں

آج ہر پھول جیسے "کرن پھول" ہے
آج سرکار کا ہر سخن پھول ہے
آرزو ایک خوشبو، بدن پھول ہے
ساتھ دیتی ہوئی اس فضا کی قسم
آج دم لے گی جلوؤں کی شدت کہیں

حُسن خود بیں سہی، حُسن تنہا نہیں

شمع جیسی بھی ہو بن پتنگا نہیں
اِن دنوں اہلِ دل کا بھروسہ نہیں
دیکھنا، اس مچلتی حیا کی قسم
آ نہ جائے کسی کی طبیعت کہیں

آج جو بھی ادا ہے وہ منظوم ہے
پھر بھی یہ حُسنِ باذوق معصوم ہے
آج کیسا زمانہ ہے، معلوم ہے؟
وقت کی بہکی بہکی ہوا کی قسم
لُٹ نہ جائے گلِ نو کی عظمت کہیں ۔ ؟!!

پھر اُن ہی مہ رُخوں کی محفل میں

رہِ میکدہ راس آتی نہیں ہے، کوئی حسن کی کہکشاؤں میں لے لو
بڑی شعلہ زا دھوپ ہے زندگی کی، مجھے سبز آنچل کی چھاؤں میں لے لو
رُخوں کے معطّر گلابوں میں لے لو، سیہ گیسوؤں کی گھٹاؤں میں لے لو
شہابی شہابی نگاہوں میں لے لو، گلابی گلابی فضاؤں میں لے لو
کسی مہ جبیں کی غلط تمکنت پر، میں جب انتقاماً شرابی بنا تھا
بزعمِ تخیل، بہ فیضِ خودی خود کو اک شاہزادہ سمجھنے لگا تھا
زلیخاؤ، عذراؤ، لیلاؤ! تم میں، کوئی ہے جو مجھ کو اجل سے بچالے

تھکا ہارا پنچھی ہوں، ایسا کوئی گلستاں ہے جو مجھ کو گلے سے لگالے
میں اک ملگجا پھول ہوں شاعری کا۔ کوئی ہے جو زلفوں میں اپنی سجالے
میں اک قطرۂ خونِ نغمہ ہوں، تم میں کوئی ہے جو موتی سمجھ کر اٹھالے
میں اس موڑ پر جب بھی یہ سوچتا ہوں گلابی فضائیں کہاں مل سکیں گی
تمہارے ہی خلوت کی شمعیں یہ کہتی ہیں "آجاؤ شاعر! یہاں مل سکیں گی"

کہیں دیکھنا، تم بھی بس اک تبسم مرے ایک نغمے کی قیمت نہ دینا
میں رنگِ گلِ عارض ولب جو مانگوں تو کاغذ کے پھولوں کی رنگت نہ دینا
مرے سرد ہونٹوں کو کچھ اور دینا سبک سگریٹوں کی حرارت نہ دینا
بلا کر مجھے نقرئی محفلوں میں ترس کھانے والی محبت نہ دینا
میں پہلے ہی سے شہر کی مہ جبینو! فریبی اداؤں کا مارا ہوا ہوں
جبھی گاؤں کے تازہ غنچے کے بدلے ذرا دیر میں اک شرارہ ہوا ہوں
غرض دورِ توبہ میں بھی تازہ کلیو! وہی لذتِ کیفِ مے چاہتا ہوں
سردِ محبت ہوں پر تھک گیا ہوں، تمہارے ہی ہونٹوں کی تپ چاہتا ہوں
تمہاری ہی آرائشوں کا ہوں حاصل تمہاری ہی چھاگل کی لے چاہتا ہوں
بس اک بار کی مہربانی نہیں، یہ نگاہِ کرم پے بہ پے چاہتا ہوں
یہ اب تم بتاؤ کہ کیا چاہتی ہو۔ میری شاعری میرا فن چاہتی ہو
کہ میرے لئے پھر وہی مے کدہ، یعنی بے وقت میرا کفن چاہتی ہو؟

مری عمر فن، میرا دل کہہ رہا ہے، بڑی مضطرب پر بڑی مختصر ہے
میں اک شمع تابندہ بیشک ہوں لیکن حیاتِ فروزاں مری رات بھر ہے

تم اس رات کی جگمگاہٹ تو دیکھو کہ سجدہ کناں نورِ نجم و قمر ہے
یہ کچھ کم نہیں ہے کہ اہلِ نظر کی مرے جلوۂ شاعری پر نظر ہے
میں جگنو ہوں جگنو، یونہی اُڑ رہا ہوں، ابھی اک اندھیرا ابھی اک اُجالا
ذرا دیر میں کھو بھی جاؤں گا شاید، بلاتا ہے مہتاب کا سرد ہالہ!!!

رات خوبصورت ہے

—نہیں، تم خوبصورت ہو، تمہیں یہ حق پہنچتا ہے
ستاروں کو مسل دو، چاند کو پامال کر ڈالو
یہی آئینہ جو تم کو دعائے صبح دیتا ہے
اسی آئینے میں سج کر حقارت کی نظر ڈالو

میں تم سے متفق ہوں حُسن اور دولت ہی سب کچھ ہے
مگر یہ بات کب دنیا کے بدقسمت سمجھتے ہیں
چلو انگڑائیاں لے کر فضائے دل پہ چھا جاؤ
ابھی کچھ لوگ ہیں جو حُسن کی عظمت سمجھتے ہیں

میں شاعر ہوں مگر اُن شاعروں سے سخت برہم ہوں
جو تم ایسے حسینوں کو نصیحت کرنے لگتے ہیں
یہ عورت اور اس کے حُسن کے موضوع کو لے کر
خنک لفظوں میں اظہارِ سیاست کرنے لگتے ہیں

اگر ان نرگسی آنکھوں میں مے خانے مچلتے ہوں
تو ظاہر ہے کہ تم پلکوں پہ آنسو کس لئے لاؤ
اگر ان احمریں ہونٹوں سے ہر دم گیت ڈھلتے ہوں
تو یہ کس نے کہا ہے بے سبب افسردہ ہو جاؤ

میں خود مفلس ہوں پر اُن مفلسوں سے سخت برہم ہوں
جو دولتمند مہ پاروں کی آرائش سے جلتے ہیں
مرا تو یہ تصوّر ہے، تمہارے اک اشارے پر
ہزاروں انقلابی شاعروں کے گیت پلتے ہیں

اگر تنہا ہی رہنا ہے تو پھر میں بھی چلا جاؤں
مگر یہ سوچ لو تنہائیاں ناگن بھی ہوتی ہیں
شبِ مہتاب میں جب رات کی رانی مہکتی ہو
تو خود اپنی جواں انگڑائیاں ناگن بھی ہوتی ہیں

اُٹھو یہ ساز پس منظر کہیں مدّھم نہ ہو جائے
کہ "مفلس مطربہ" اب ساز پر قابو نہیں پاتی
نہ جانے کونسا "شہزادۂ گلفام" آیا ہے
کہ یہ اپنی حسیں آواز پر قابو نہیں پاتی

مری باتیں تمہارے خادموں سے ملتی جلتی ہیں
مگر یہ مان لو، اس دم تمہیں میری ضرورت ہے
چلو اک راز بھی تم کو ذرا چپکے سے بتلا دوں
کہ خود مجھ کو نظامِ سیم و زر سے سخت نفرت ہے

دلِ آئینہ اب تم کو دُعائے شب بھی دیتا ہے
چلو، ہر بزم میں اک حشر برپا کر کے آنا ہے
یہی چاندی کی دنیا جسکی تم اک ماہ پارہ ہو
تہ و بالا یہی چاندی کی دنیا کر کے آنا ہے

تمہاری کیا خطا اس میں اگر فطرت کے ہاتھوں نے
نظامِ سیم و زر میں تم کو مہ پارہ بنایا ہے
مرا بھی کیا قصور اس میں اگر مجھ کو غریبی نے
گلِ مہتاب کی محفل میں انگارہ بنایا ہے

غرض، آنسو کا اب تارے سے سمجھوتہ ضروری ہے
گلِ سیمیں کا انگارے سے سمجھوتہ ضروری ہے۔!

معزّز تتلیو

معزّز تتلیو! تم کو یقیناً یہ خبر ہو گی
تصوّرِ حُسن کا بھی عشق ہی کے ساتھ بدلا ہے

اگر اپنی اُمنگوں کی حسیں شہزادیاں تم ہو
تو ہم بھی خسروانِ سیم و زر سے ڈر نہیں سکتے
اگر تم آج شیریں اور لیلیٰ ہو نہیں سکتیں
تو ہم بھی قیس اور فرہاد بن کر مر نہیں سکتے

اگر سائنس کے اس دور میں تم آسمانوں سے
سراپا خلد کی رنگیں فضائیں بن کے اتری ہو
اگر تم سرمئی سڑکوں پہ اپنی سُرخ کاروں سے
اجنتا کی برہنہ اپسرائیں بن کے اتری ہو

اگر یہ ہے تو ہم بھی کج کلاہانِ تغیر ہیں
اجنتائیں ہمارے کارخانوں کی ہیں پروردہ

تمہارے عارض و لب کو ہمیں شہر نگار دیتے ہیں
تمہاری ہر ادا ہم سخت جانوں کی ہے پروردہ!

جہانِ تازہ کو جاگے ہوئے فرہاد درکار
مبارک حُسن کا اس دور میں خلدِ نظر ہونا
فضائے برق و آہن میں خلائی شاہراہوں پر
مبارک تتلیو! تم کو ہمارا ہم سفر ہونا

مگر تم کاغذی گلدان بن کر آگ کی جانب
اگر اس طرح آؤ گی تو پھر جلنا بھی لازم ہے
اگر ہر انگ میں تم خود ہی مدرالے کے نگلو گی
تو پھر مے کی طرح ہر جام میں ڈھلنا بھی لازم ہے

تمہارا حسن تازہ زندگی کی شمع رنگیں ہے
نظامِ زندگی لیکن ہمارے ہاتھ بدلا ہے!!

کیوپڈ

تم اپنے دور سے پہلے کے مہ پاروں سے یہ کہنا
"وہ شاعر کون تھا جسکے ترانے اب بھی زندہ ہیں
ہماری جلوہ گاہوں میں ہماری خوابگاہوں میں
یہ کس شہزادۂ دل کے فسانے اب بھی زندہ ہیں؟
بڑی حیرت ہے، ہم تازہ نگارانِ گلستاں میں
اُسی کے تیر کے رنگیں نشانے اب بھی زندہ ہیں
ارادہ ہے کسی سے مل کے اُسکی زندگی پوچھوں
اُسی سے ملتے جلتے کچھ دوانے اب بھی زندہ ہیں؟"

تمہارے کاروانِ رنگ و بو کی تیز رفتاری
مجھے معلوم ہے، تم کو پریشاں کرتی رہتی ہے
تمہاری "صنف کی تقدیس" تم کو نور دیتی ہے
مگر "تہذیب" منزل سے گریزاں کرتی رہتی ہے
تم آئینے پہ چھا جاتی ہو لیکن میں سمجھتا ہوں
نگاہِ آئینہ خود تم کو حیراں کرتی رہتی ہے
تمہاری ہر سجاوٹ، ہر نمائش، ہر طرب کوشی
تمہیں کچھ اور عریاں، اور عریاں کرتی رہتی ہے

میں تم سے دور اک بے نور میخانے میں بیٹھا ہوں
مگر تم مجھ کو اپنے آئینہ خانوں میں پاؤ گی
"کلب" کے تیز برقی قمقمے جب مضمحل ہوں گے
تو میری لوریاں اپنے شبستانوں میں پاؤ گی
حقیقت سیم و زر کی جب تمہیں افسردہ کر دے گی
تو پیغامِ سکوں میرے ہی افسانوں میں پاؤ گی
تم اس سائنس کی دنیا کی چنچل برق پارہ ہو
مگر تسکیں بھی مجھ ایسے ہی دیوانوں میں پاؤ گی
شعورِ حسن، آدابِ لب و رخسار بخشا ہے
وہ میں ہوں، جس نے مہ پاروں کو اک معیار بخشا ہے!

کون کہتا ہے؟

کون کہتا ہے آپ ان شگوفوں سے اپنے حسین گیسوؤں کو سجایا نہ کیجئے
مگر بندہ پرور! یہی تازہ کلیاں
اگر خلوتِ ناز میں سوکھ جائیں
تو پھر ان کو قدموں سے مسلا نہ کیجئے
کہ ان تازہ کلیوں میں بھی جان ہوتی ہے
دھرتی کے ہونٹوں کی مسکان ہوتی ہے
آپ ان کا دل یوں دکھایا نہ کیجئے

کون کہتا ہے آپ ان شگوفوں سے اپنے حسین گیسوؤں کو سجایا نہ کیجئے؟
کون کہتا ہے آپ ایک شاعر کے نغمے شبِ ماہ میں گنگنایا نہ کیجئے؟
مگر جب یہی کیف افروز نغمے
دلِ مضطرب کو سکون دے نہ پائیں
تو پھر آپ شاعر سے روٹھا نہ کیجئے
کہ شاعر کے نغمے وہی راز کہتے ہیں
جو دل کے پردے میں پوشیدہ رہتے ہیں
آپ ان پہ یوں ملامت نہ کیجئے

کون کہتا ہے آپ ایک شاعر کے نغمے شبِ ماہ میں گنگنایا نہ کیجئے؟
کون کہتا ہے ہم سر پھرے نوجوانوں کے ہمچم تلے آپ آیا نہ کیجئے؟

مگر جب ہمارے تغیر کے نعرے
سمن پوش محلوں میں بھی گونج جائیں
تو پھر آپ آنکھیں دکھایا نہ کیجئے

کہ منزل ہماری محبت نہیں ہے
مگر حسن سے بھی عداوت نہیں ہے
غریبوں پہ یوں مسکرایا نہ کیجئے
کون کہتا ہے ہم سر پھرے نوجوانوں کے پرچم تلے آپ آیا نہ کیجئے؟!

سلمیٰ [۱]

ـــ میرے آنگن میں جو "بیلے" کا حسیں پودا ہے
اس میں "اک پھول" ہے اور تین "سہانی کلیاں"
اک کلی زرد ہے، بیمار ہے، افسردہ ہے

ان کو چھوتی ہوئی لہراتی ہے جب موجِ سحر
مسکرا اٹھتے ہیں لب، رقص میں آتی ہے نظر
یاد آتا ہی نہیں مجھ کو مرا زخمِ جگر

۱؎ یعنی میری ایک بچی "پروین سلام"

سوچتا ہوں کہ یہ نکہت ہے تو پھر غم کیا ہے
پھول ہنستے ہیں تو کیوں سوچوں کہ شبنم کیا ہے
اک خلش، ایک چبھن دل میں یہ کم کم کیا ہے!!

اسی عالم میں وہ بیمار کلی کہتی ہے ——
"باغباں! مجھ کو بھی اک پیار کا بوسہ دیدو"
ساز ہوں، لاکھ شکستہ سہی، نغمہ دے دو
شمع ہوں، لاکھ فسردہ سہی، جلوہ دیدو——!"

اور پھر "بیلے" سے اک شور فغاں اُٹھتا ہے
مرے خوشبو بھرے آنگن میں دھواں اُٹھتا ہے!

—— راس پھولوں کا بھی، صد حیف، نہ انداز آیا
"زندگی! چھوڑ دے پیچھا مرا، میں باز آیا——!"

میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے...!

میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں

اب دُکھ درد کے بادل ہوں یا زہریلے انگارے ہوں
میری نظریں سب سہہ لیں گی جیسے بھی نظارے ہوں

آخر پھول بھی کھلتے ہی ہیں پتھریلی چٹانوں میں
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں

سُن لے اور سمجھ بھی پائے غم کے اس افسانے کو
اتنی فرصت کب ملتی ہے اس مصروف زمانے کو

اب کچھ تسکیں ہو جاتی ہے رہ کر ان نادانوں میں
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں

کس کی آنکھ سے شعلے ٹپکے، کس کے ہونٹ پہ آئے گیت
کیوں لہرا کر رقص میں آئے اور کیسے مرجھائے گیت

کون یہ جانے کتنے راز ہیں پنہاں ہم دیوانوں میں
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں !!

بادلوں کے گھیرے

ـ زندگی! کہیں کھو جا تو بھی اس اندھیرے میں
اک لطیف تاریکی روشنی کا حاصل ہے
جب بھی فصلِ گل آئی، جب بھی ابر چھائے ہیں
ـ یہ سحاب کہتے ہیں "تم جو تھے وہ ہو جاؤ
کتنی کیف ساماں ہے یہ گھٹا غزل چھیڑو
یاد ہے تمہیں، پہلے فصلِ گل جب آتی تھی
نظم ـ کیف پرور نظم اور کیف ساماں نظم
اور میں یہ کہتا ہوں یہ جو ابر پارے ہیں
خواب دیکھ لینے کی پہلے ایک عادت تھی
لیکن ان بہاروں سے زندگی گریزاں تھی
ـ اب انہی فضاؤں میں میرے گیت ناچیں گے
شورشِ جہاں ان کے پاس اب نہ آئے گی

"موت" کتنی دلکش ہے، بادلوں کے گھیرے میں
رقصِ موت ہی شاید زندگی کا حاصل ہے
میرے عشرتِ غم کے درد مسکرائے ہیں
پھر تصورِ زلفِ سرمگیں میں کھو جاؤ
جل ترنگ پر کوئی کیف زا غزل چھیڑو
بربطِ تخیل پر نظم گنگناتی تھی
گاہ مریمی نغمہ، گاہ ایک عریاں نظم ؟!"
صرف میرے گیتوں کے کچھ بجھے شرارے ہیں
صرف گیت لکھ لینا جاوداں مسرت تھی
نظم جتنی دلکش تھی، اتنی ہی پریشاں تھی!
ہاں، انہی گھٹاؤں میں میرے گیت ناچیں گے
تیز دھوپ، دھرتی کی ان کو چھو نہ پائے گی

روشنی سی ملتی ہے مجھ کو اس اندھیرے میں
زندگی سی ملتی ہے بادلوں کے گھیرے میں

نغمۂ سبو

مل گئے تو مل بیٹھو، کوئی گفتگو چھیڑو
بزمِ دل فسردہ ہے، سازِ رنگ و بو چھیڑو

کون، کس سے بے پروا، کون، کس سے بیگانہ
یہ سوال رہنے دو، زندگی ہے افسانہ
اور ہر فسانے میں زیر و بم بھی ہوتا ہے
دردِ حُسن ہوتا ہے، حُسنِ غم بھی ہوتا ہے
پُر بہار ہو کر بھی سوگوار ہوتی ہے
ایک سی فضا اکثر دل پہ بار ہوتی ہے
میرے شیشۂ دل میں اب بھی تم سنورتے ہو
اور مری محبّت کی قدر تم بھی کرتے ہو
پھر یہ خامشی کیسی بے سبب ندامت کیوں
یوں رُکی رُکی سی ہے شوق کی حکایت کیوں
آج اپنا مل جانا اک نیا فسانہ ہے
آگے پھر وہی تم ہو، میں ہوں اور زمانہ ہے

سازِ لالہ و گل پر نغمۂ سبو چھیڑو
داستاں رفیقوں کی قصّۂ عدو چھیڑو

پس منظر

—— چاند تاروں نے پہن رکھے ہیں کالے برقعے
رات تاریک نہیں، صرف گھٹا چھائی ہے

برق کے تار پہ رم جھم ہے کوئی ساز نہیں
وہی موسم ہے جسے کہتے تھے ساون ہم لوگ —!

× × × ہائے، طیارے نے بادل کا جگر چیر دیا
آہ، اس ریڈیو نے کر دیا موسم برباد
وہی کل صبح کی خبریں، وہی پرسوں کی پکار!

—— گرم طیارے کو جانا تھا جہاں جا بھی چکا
ریڈیو وقت کا پابند تھا، خاموش ہوا —!

دیکھو، پھر چھائے ہیں میخوار۔ گھنیرے بادل
تم بھی لہرا دو دوپٹے کا گلابی آنچل

برق و آہن سے پرے آؤ ذرا دیکھیں تو
پاس کے گاؤں میں شہنائی کہیں بجتی ہے؟!

پتّھر

—— اے نئی دنیا! ادھر بھی کوئی نغمہ، کوئی شور
زندگی کی ان منازل میں بڑا تنہا سا ہوں

اس سے مل کر دل یہ کہتا ہے کہ یہ پُرفن نہیں
جام اٹھاتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ ناگن نہیں
دوست ملتے ہیں تو دل کہتا ہے کترا جائیے
اور غیروں سے یہ کہتا ہوں، حضور! آجائیے
پھول آنگن کے جو کھلتے ہیں تو کہتا ہوں کہ جھوٹ
اور گلے بچے بھی ملتے ہیں تو کہتا ہوں کہ جھوٹ
جب کسی عالم میں ہو جاتی ہے اک رنگیں غزل
سوچتا ہوں ہو نہ ہو، یہ بھی ہے آوازِ اجل
چاند کی جانب بھی آج اٹھتی ہے جب اپنی نگاہ
سوچتا ہوں یہ بھی ہے میری طرح محوِ گناہ
اپنے ہمعصروں کو سرگرمِ سیاست دیکھ کر
صرف ہنس دیتا ہوں آئینے میں صورت دیکھ کر
یا بہ فیضِ ہوش مندی آج میں دیوانہ ہوں
یا تو عہدِ نو میں اک بھولا ہوا افسانہ ہوں

مجھ کو چھو کر پھول بن جایا کہ آتش چھو تو لے
لاکھ پتّھر بن گیا ہوں پھر بھی اک دیوتا سا ہوں
اے نئی دنیا! ادھر بھی کوئی نغمہ، کوئی شور
زندگی کی ان منازل میں بڑا تنہا سا ہوں!!

ظفر زندہ باد ـــــ!

ـــ ذکرِ شب اور بہ ہنگامِ سحر، کیا معنی
بزمِ جمہور میں شاہوں کا گزر، کیا معنی
آج بھی تذکرۂ عہدِ ظفر کیا معنی

کوئی اس طرح بھی سوچے تو اُسے کیا کہیے
ذہنِ یخ بستہ میں اُلجھا ہوا شعلہ کہیے

ایک شاہنشہِ بیدار ظفر تھا کہ نہیں
وقت کے ہاتھ میں تلوار ظفر تھا کہ نہیں
جنگِ آزادی کا سالار ظفر تھا کہ نہیں

ان سوالات میں تاریخ نہیں بہ سکتی
موجِ حالات میں تاریخ نہیں بہ سکتی

آج جاگے ہوئے اس عالمِ جمہور میں ہم
"ہند" کی جلوہ گہِ رشک دہِ طور میں ہم
یوں سمجھئے کہ اسی منزلِ پُر نور میں ہم

جائزہ پچھلے سفر کا بھی ذرا لیتے ہیں
یعنی ہم اپنے بزرگوں کی دُعا لیتے ہیں

—— مین کیوں اب بھی مقابر میں ہوا کرتی ہے
"خونی دروازے" سے کیوں ہوک اٹھا کرتی ہے
روح سی قلعے میں کیا چیز پھرا کرتی ہے
کون اولاد کا آنکھوں میں لئے خون گیا
کون سنگینوں کی آغوش میں رنگون گیا

وہ شہنشاہِ ظفر تھا تو ظفر زندہ باد
خوں میں ڈوبے ہوئے اے لالۂ تر زندہ باد
"محترم رہبرِ آغازِ سفر" زندہ باد
تیری یادوں کی مہک سے بھی ہے آباد یہ باغ
ہم ہمیشہ ہی جلاتے ہیں چراغوں سے چراغ

دَورِ یک جہتیِ افکار و خیالات ہے یہ
تیری جانب سے ہمارے لئے سوغات ہے یہ
شاعری میں بھی تری ایک اہم بات ہے یہ
مختلف ہوتی ہے صحرا سے چمن کی تہذیب
ہے اَمر جلوہ گہِ گنگ و جمن کی تہذیب ——!

ستارے کی موت

(ڈاکٹر اشرف کی یاد میں)

— موت آتی ہے تو بے وقت بھی آجاتی ہے
اور ہر موت کی "قدرت" ہی خطادار نہیں
بلکہ ہم آپ بھی ہیں، وقت بھی ہے، دنیا بھی!

— ایک سیّارہ سرِ عرشِ "علی گڑھ" چمکا
جس کو اُس دورِ کشاکش نے دمکنے نہ دیا
اور اُس انجمِ تابندہ کا دل ٹوٹ گیا

پھر بھی وہ زندہ رہا جلوہ فگن ہوتا رہا
باہمہ خون جگر وقفِ چمن ہوتا رہا
اپنے انداز سے قربانِ وطن ہوتا رہا

اُسکی تحریروں سے ہر سمت شرارے بکھرے
اُسکی تقریروں سے افرنگ کے دل کانپ گئے
اُسکی تعبیروں سے مسکائے سُنہرے سپنے

وہ حسیں خواب لئے بزمِ وطن میں آیا
گاہ شعلوں میں رہا، گاہ چمن میں آیا
کبھی میداں، کبھی "سوراج بھون" میں آیا

پھر بھی تسکینِ نظر، دل کا سکوں مل نہ سکا
نودمیدہ ہی رہا، غنچۂ دل کھِل نہ سکا
وقت پھیلاتا رہا چاروں طرف جال اپنا
اُس کو محبوب تھا آدرش بہرحال اپنا
ایک دُھن، ایک لگن تھی جو وہ تابندہ رہا
دُور — بیرونی فضاؤں میں بھی رقصندہ رہا
گیسوئے شب کی گھنی چھاؤں میں جلتا ہی رہا
صبح کہتی تھی کہ آتی ہوں، وہ ڈھلتا ہی رہا
اور پھر وہ جو نگاہوں کو تھا محبوب — گیا
نجمِ نَو ڈوب گیا، ڈوب گیا، ڈوب گیا —!

— بات ادنیٰ سی ہے، ہر روز یہی ہوتا ہے
واقعی، اے دلِ پُرسوز! یہی ہوتا ہے،
پھر بھی، آتا ہے مرے ذہن میں اکثر یہ خیال

ایسی ہر موت پہ کرتا ہوں یہ پیچیدہ سوال
ابر تابندہ نظاروں ہی پہ کیوں ہوتا ہے
موت کا وار ستاروں ہی پہ کیوں ہوتا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلۂ موت و حیات
اک تخیل ہے کہ یزداں ہی کو حل کرنا ہے

بلکہ لاکھوں ہی مسائل کی طرح اس کو بھی
ہمیں اور آپ کو ۔ انساں ہی کو حل کرنا ہے!
موت آتی ہے تو بے وقت بھی آجاتی ہے
اور ہر موت کی "قدرت" ہی خطاوار نہیں
بلکہ ہم آپ بھی ہیں، وقت بھی ہے، دنیا بھی!

"نذر علی گڑھ"

شکر ہے آج کے اس دورِ جنوں میں بھی سلام
فکر و دانش کی کوئی بزمِ ضیا بار تو ہے
اب بھی اندیشہ و شبہات کے طوفانوں میں
عزم و اخلاص کی اک آہنی دیوار تو ہے
اہلِ نفرت کے لئے قوسِ قزح کی صورت
ایک پھولوں کی لچکتی ہوئی تلوار تو ہے
اس کے پُر نور مناروں کو بہ ایں حُسنِ بہار
یادِ ہنگامۂ دورِ رسن و دار تو ہے
زندہ باد اے مرے دیوانۂ منزل! خوش باش
اب بھی ٹوٹی ہوئی زنجیر میں جھنکار تو ہے

ان خیالاتِ سکوں بخش کے باوصف سلام
فکر ہے یہ بھی کہ موسم کا تقاضا کیا ہے
اپنی یہ بزمِ حسیں، چرخِ حسیں، ہم بھی حسیں
گیسوئے ناز میں پھر ابر سا اُلجھا کیا ہے
ایک موضوع ہے پر سوچ رہے ہیں کچھ اور
ہم سفر ہیں تو یہ شبہات کی دنیا کیا ہے
اک یہی اپنا گلستاں ہے، یہی اپنی فضا
باغبانوں کا خدا جانے ارادہ کیا ہے
باغبانوں کے ارادے تو مبارک ہوں گے
سوچنا یہ ہے کہ خود پھولوں میں جھگڑا کیا ہے
تیر پھولوں کا ابھی دل میں چُبھا ہے کہ نہیں
میں نے کچھ بزمِ علی گڑھ سے کہا ہے کہ نہیں

جواب

سوال یہ ہے کہ اس "جوہری" زمانے میں
ہم اک مشین ہیں، انساں ہیں یا جنازے ہیں؟
کبھی یہ فرض کہ پہیّوں کی طرح چلتے رہو
کبھی یہ فکر شبِ ماہ میں بھی جلتے رہو
کبھی یہ سوچ یونہی میّتوں میں ڈھلتے رہو
مگر یہ بات کہ اس منزلِ تمدّن میں
ہمارے قدموں پہ مہتاب جھکنے والا ہے
جہاں فضائیں تھیں "مردہ" جہاں اندھیرا تھا
وہیں بہار ہے، نغمات ہیں، اُجالا ہے
ہمیں مصوّرِ فطرت نے زندگی دی تھی
تو ہم نے بھی اُسے ان پیکروں میں ڈھالا ہے

بلا خلوص پرستش کا یہ صِلہ آخر
خدا کو پوج کے ہم بن گئے خُدا آخر
یہ دَور اپنے تخیّل کا کارنامہ ہے
حیات کس نے کہا ہے کہ اک فسانہ ہے!
فسردگیِ ضیا کوشش بھی مبارک ہے
بہ نام صبح، ہمیں تیرگی مبارک ہے!!

عہدِ گل

آگ کا ذکر ہی کیا، جلتی ہے، بجھ جاتی ہے
پھول مُرجھائے تو خوشبو نہیں جانے پاتی!

تم کِھلو، تم بھی ہنسو، تم بھی مچل کر مہکو
اپنا یہ عہد ہے، دھرتی کے حسیں دامن پہ
اب جہاں تک بھی نظر جائے، گلستاں ہو گا
یا گل و لالہ کے مفہوم بدل جائیں گے
یا ہمیشہ کے لئے دَورِ بہاراں ہو گا
آسماں، پھول چڑھائے گا، جلائے گا کنول
نکہت و نور کا معبود اب انساں ہوگا!

آگ کی بات پہ دھرتی کو ہنسی آتی ہے
آگ خود اپنی ہی فطرت کی سزا پاتی ہے
آگ کا ذکر ہی کیا، جلتی ہے، بجھ جاتی ہے

فصلِ گل، موسمِ پُر نور کی باتیں چھیڑو
ذکرِ فردوس کرو، حور کی باتیں چھیڑو!

تم کِھلو، تم بھی ہنسو، تم بھی مچل کر مہکو
عہدِ حاضر کے خلیلوں کا ارادہ یہ ہے
اب نہ بادل ہی کہیں ہوں، نہ کہیں آتش و دود
اس طرح مہکو کہ طوفانِ بہاراں بن جاؤ
وادیِ گل میں نظر آئے نہ کوئی نمرود!

تم کِھلو، تم بھی ہنسو، تم بھی مچل کر مہکو
تم اُٹھو، کم اُٹھو، تم سب ہی مرے ساتھ اُٹھو
ہمیں خوشبو ہیں، ہمیں نور، ہمیں نغمہ ہیں!!

آؤ اب تیز کریں قافلۂ صبحِ بہار
آؤ اب تیز کریں قافلۂ صبحِ بہار
آؤ اب تیز کریں قافلۂ صبحِ بہار!!!

گیتوں کی کوئلیا بولے —!

— میرے گیتوں کی من بھاؤنی کوئلو!
جب تلک ہو سکے گنگناتی رہو،
ان دنوں نبضِ عالم ذرا تیز ہے!
میری کویتاؤں کے باغ کی تتلیو!
اپنے رنگین آنچل اڑاتی رہو،
جو بھی ہو، یہ فضا بھی جنوں خیز ہے!
کوئلو، کوئلو! بولتی ہی رہو،
اس سے پہلے کہ بجلی کوئی گر پڑے،
مجھ کو گلشن میں نغمے ہی درکار ہیں!
اے ہواؤ! یونہی ڈولتی ہی رہو،
اس سے پہلے کہ یہ صبح بھی ڈھل چکے،
مسکرانے کو کچھ پھول تیار ہیں!

— میرے افکار کی نوجواں زندگی غیر فانی نہیں یہ سمجھتا ہوں میں۔
میں تو بس حُسن کی مورتی کے لئے اس کے قدموں پہ تازہ تریں پھول ہوں۔
دو گھڑی کے لئے شاد ہو لینے دو، دھوپ بڑھتے ہی میں ختم ہو جاؤں گا۔
یہ سمجھتے ہوئے اے سہانی ہوا!
اے معطّر فضا!

اے حسیں تتلیو!
میرے گیتوں کی من بھاؤنی کوئلو!
میں نے اپنا مخاطب تمہیں کو بنایا ہے اِس دُکھ بھری زندگی کو نہیں۔
یہ گریز ایک لعنت سہی پھر بھی میں سوچتا ہوں اگر حُسن کے واسطے،
بعض اَن دیکھی سچّائیوں کے لئے
زندگی ہی کے اُن پہلوؤں کے لئے
جو حسیں تھے، حسیں ہیں، حسیں ہی رہیں گے ——
میں اپنے کو برباد بھی کر سکوں
تو بڑی بات ہے ——!
میرے احباب مجھ پر ترس کھائیں گے اور مری روح تسکین پا جائے گی۔
"—— شکر ہے، حسن کی مورتی کے لئے اک نیا پھول خود کو فنا کر سکا!"

—— کوئلو! میں نے تم کو بتایا تو ہے،
اِن دنوں نبضِ عالم ذرا تیز ہے،
جب تلک ہو سکے بولتی ہی رہو!
مست، ٹھنڈی ہواؤ! خراماں رہو،
ساز بن کر لبِ لالۂ گل پہ تم جب تلک ہو سکے ڈولتی ہی رہو!
میری تخئیل کے نقرئی آئینو!
مہر و مہ کو گلے سے لگاتے رہو،

کون جانے تمہیں ٹوٹ جانا پڑے!
کون جانے تمہیں ٹوٹ جانا پڑے اے مری شاعری کے سبک آئینو!
آج روئے زمیں پر چمن ہی نہیں گولیوں اور بموں کے دھماکے بھی ہیں۔
تم کہ آویزاں ہو معبدِ فکر کی صندلی رنگ کی ایک دیوار پر۔
یہ دھماکے تمہیں توڑ ڈالیں تو پھر،
آتشیں گیند تم پہ اُچھالیں تو پھر ــــــ؟
بزمِ گیتی میں جتنی خوشی مل سکے،
جتنی رعنائیاں پا سکو،
جلدی جلدی اُنہیں جذب کر لو ابھی۔
ورنہ اے آئینو! تم بہت نرم ہو، بربریّت کی یورش نہ سہہ پاؤ گے۔
ــــــ ڈالروں کے چھنکتے ہوئے پاؤں میں
مضطرب زندگی کچھ سکوں پائے گی!"
"احمریں انقلابات" کی چھاؤں میں،
لوگ کہتے ہیں، "دنیا سنور جائے گی ــــــ"
لوگ یہ اونچے نعرے لگاتے ہوئے آج باہم لڑائی پہ آمادہ ہیں۔
ایسے آدرش لے کر کوئی کیا کرے جبکہ خود ہم درندوں کے ہم پایہ ہیں؟!
ــــــ گاؤ گاؤ مدھر گیت اے کوئلو!
میرے نغمات خود مجھ پہ لعنت سہی،
میں شرربار نعرہ نہیں چاہتا۔

ناچو ناچو دھنک سی حسیں تتلیو!
میری خاطر گریزِ حقیقت سہی،
میں گلستاں سے جانا نہیں چاہتا۔
چمکو چمکو مرے نقرئی آئینو!
عہدِ حاضر سے یہ اک بغاوت سہی،
میں بموں کا دھماکا نہیں چاہتا۔
میں درندوں کی دنیا نہیں چاہتا،
میں درندوں کی دنیا نہیں چاہتا!!
—— میرے افکار کی نوجواں زندگی غیر فانی نہیں یہ سمجھتا ہوں میں۔
پھر بھی اے کوئلو!
اے حسیں تتلیو!
نقرئی آئینو!
جب تلک زندہ ہوں تم مرا ساتھ دو،
اپنے "فن کار" کے ہاتھ میں ہاتھ دو —— !!

دھرتی اَمر ہے

—— ذرا آہستہ بول
آہستہ
دھرتی سہم جائے گی
یہ دھرتی پھول اور کلیوں کی سُندر سیج ہے ناداں!
گرج کر بولنے والوں سے کلیاں روٹھ جاتی ہیں
—— ذرا آہستہ چل
آہستہ
دھرتی ماں کا ہردے ہے
اسی ہردے میں تیرے واسطے بھی پیار ہے ناداں!
بُرا ہوتا ہے، جب دھرتی کسی سے تنگ آتی ہے
—— تری آواز
جیسے بڑھ رہے ہوں جنگ کے شعلے
تری چال
آج ہی گویا اُٹھیں گے حشر کے فتنے
مگر نادان! یہ پھولوں کی دھرتی غیر فانی ہے
کئی جنگیں ہوئیں لیکن زمیں اب تک سُہانی ہے۔

شگفتہ نعش

شگفتہ پھول اب کوئی تصوّر ہی نہیں دیتے
سجا کر کاغذی گلدان میں ان کو کہیں رکھ دو
جہاں سائنس پر تازہ کتابیں ہیں، وہیں رکھ دو ——!

یہ تازہ پھول اب بھی رنگ و نکہت کے مرقعے ہیں
مگر بیدار اب ان سے کوئی جذبہ نہیں ہوتا
نہ بچّے کا تبسّم
اور نہ یادِ عارضِ جاناں،
نہ عکسِ رنگ پیراہن،
نہ تقدیسِ متابر
اور نہ احساسِ غمِ گلشن
کوئی واضح تصوّر ان سے اب پیدا نہیں ہوتا ——!
چلو ہم احتراماً پھول کو پتھر نہیں کہتے
وہی پھولوں سے وابستہ تصوّر ہم کو لوٹا دو
وگرنہ یہ شگفتہ نعش ہیں، تم ان کو دفنا دو ——!

حضورِ عالمِ نَو ہم بھی اپنا سر جُھکاتے ہیں
چلو ہم آج کے انسان پہ ایمان لاتے ہیں
چلو تم کو خدا کہتے ہیں ،
بازی گر نہیں کہتے ہیں ——————
چلو ہم احتراماً پھول کو پتّھر نہیں کہتے ——————!

—— مبارک اے نئی دنیا !
کہ تو نے زندگانی کی سبھی قدریں بدل ڈالیں ،
مبارک اے نئے انسان !
کہ اپنی نعش پر تو نے نئی دُنیا سجائی ہے ——————!!؟

عوام

کھڑے ہو آج جس تہذیب کے اونچے منارے پر
سجایا ہے اسے شاید ہمیں بدنام لوگوں نے
جدھر سے چل کے تم پہنچے ہو ان زرّیں منازل تک
دکھائی ہے تمہیں وہ راہ ہم ناکام لوگوں نے
تمہاری بزمِ ذہن و فکر کی آرائشیں کی ہیں
ہم ایسے ہی اسیرِ گل - اسیرِ جام لوگوں نے
تمہارے جادۂ گل رنگ کی یہ احمریں شمعیں
جلائی ہیں ہم ایسے ہی اسیرِ دام لوگوں نے
کسی انداز سے لیکن تمہیں پہنچا دیا ہو گا
نئی دنیا، نئے انساں کا یہ پیغام لوگوں نے
کہ اکثر اپنے ہی تخئیل کے خوش رنگ پھولوں کو
مسل کر پھینک ڈالا ہے بوقتِ شام لوگوں نے
بٹھا کر معبدِ زرّیں میں خود نوریں خداؤں کو
کیا ہے کس طرح خود ہی انھیں ناکام لوگوں نے
حسیں تعبیرو یا تم ہمارے خواب لوٹا دو
ہماری معرفت بھیجا ہے یہ پیغام لوگوں نے ——!

نورِ زہراب

مجھے زہراب سے سینچو
ہوائے آتشیں کے ساز سے تم مجھ کو بہلاؤ

کہ میں ایسا ہی پودا ہوں
جو زہریلی ہواؤں میں
اجل ساماں فضاؤں میں
اگر پروان چڑھ جائے تو نخلِ نور بنتا ہے!
— زمیں کی کوکھ میں شبنم بھی ہے
پھولوں کی خوشبو بھی
وہاں سنگیت کی ندیاں بھی ہیں
شعلوں کی جھیلیں بھی
میں اس دھرتی پہ اک بے جان،
اَن جانا سا پودا ہوں!
مگر میری جڑیں
سنگیت

خوشبو
نور
اور شعلوں کو چھوتی ہیں —— !!
—— اُبھر کر سینۂ گیتی پہ میں نے زہر ہی پایا،
ہوائے آتشیں نے ہی ابھی تک مجھ کو بہلایا،
میں عادی ہو چلا ہوں ان اجل ساماں فضاؤں کا
مگر میں روشنی ہوں،
زندگی ہوں،
نور و نکہت ہوں —— !
زمیں کی کوکھ نے شعلوں کی جھیلوں میں جنم دے کر
مجھے کتنی تمناؤں سے اس دھرتی پہ بھیجا ہے
اجل ساماں فضاؤ!
میں ہمہ نورِ بہاراں ہوں
نمو کی داستانِ جاوداں ہوں،
غیر فانی ہوں —— !!!

دھواں

——— وہ قہوہ خانے میں آیا۔
اور ہماری میز کے کنارے بن پوچھے ہی بیٹھ گیا۔
ہم باتوں میں کھوئے ہوئے تھے ———
سوچ رہے تھے دنیا کیا ہے۔
کیا یہ اک اسٹیج ہے جس پر جیون کا ناٹک ہوتا ہے۔
کیا ہم اس بے نام ڈرامے کے ہیں بس فرضی کردار ———؟
الجھی تھی اپنی گفتار ———
اور اچانک وہ نووارد
سگریٹ کا ایک گہرا سا کش لے کر ——— اٹھا
ہم لوگوں کو غور سے دیکھا
اور یہ کہہ کر جانے لگا ———
تم سب اتنا سوچ رہے ہو
مجھ سے پوچھو دنیا کیا ہے ———!"
ہم نے سوچا بات کرے گا
لیکن ایک برقی سُرعت سے وہ نووارد جا بھی چُکا تھا
(بیرے نے بتلایا صاحب! آنے والا دیوانہ تھا)
——— اب ہم لوگ یہ سوچ رہے تھے
وہ تو خیر ایک فرزانہ تھا
لیکن ہم اس فکر کے ہاتھوں اک دن پاگل ہو جائیں گے۔
سگریٹ اور کافی کے دھوئیں میں اڑ کر بادل ہو جائیں گے ———!!

تلاش[1]

— پھر آج اُن کے "پرانے خطوط" دیکھتا ہوں
پھر آج ڈھونڈ رہا ہوں میں اُن کی "تقریریں"
"تلاش ہند" کے اوراق پھر اُلٹتا ہوں!
خیال تھا کہ کبھی اس کو سجدہ کرلوں گا
یہ روشنی تو بہر حال ہے مرے گھر کی!
تساہلی نے مجھے ہائے کردیا بر باد
کوئی بتاؤ مری روشنی کہاں گم ہے؟
"تلاش ہند" کے اوراق پھر اُلٹتا ہوں
وہ روشنی تو یہیں تھی، ابھی یہیں ہو گی —؟!

---

[1] بہ یادِ نہرو۔

○

کبھی کبھی عرضِ غم کی خاطر ہم اک بہانا بھی چاہتے ہیں
جب آنسوؤں سے بھری ہوں آنکھیں تو مسکرانا بھی چاہتے ہیں

وہ دل سے تنگ آ کے آج محفل میں حُسن کی تمکنت کی خاطر
نظر بچانا بھی چاہتے ہیں، نظر ملانا بھی چاہتے ہیں

مزاج آئے کہ انتقاماً میں دل کا آئینہ توڑ ڈالوں
مرے ہی ہاتھوں سجے ہیں، اور اب مجھی پہ چھانا بھی چاہتے ہیں

جبھی تو خود آج شہر کے گُل رُخوں کی تعریف کر رہے ہیں
وہ انتخابِ نظر کو میرے اب آزمانا بھی چاہتے ہیں

اگرچہ طوفانِ رنگ و بو کی شریر لہروں سے تھک چکے ہیں
مگر وہ دل کے نئے تلاطم کی زد میں آنا بھی چاہتے ہیں

سلام! "آزاد شاعری" کی طویل و دشوار راہ میں ہم
کبھی کبھی "بر بطِ تغزل" پہ گنگنانا بھی چاہتے ہیں

○

بات کچھ بھی نہ تھی، آپ کو یک بیک یوں سرِ شاخِ گل کیوں حجاب آگیا؟
اک کلی پھول بن کر مہکنے لگی، منزلِ رنگ و بو میں گلاب آگیا!؟
میری جانب تمہاری نظر اُٹھ گئی، میرے ہاتھوں میں جامِ شراب آگیا
اہلِ محفل یہ سمجھے سحر ہو گئی، پھول کھلنے لگے آفتاب آگیا!
محوِ تزئینِ حسن و جمال آپ تھے، میری کیوں آئینے پہ نظر پڑ گئی؟
میں بھی بے وجہ کچھ مضطرب ہو گیا، آپ کو بھی اچانک حجاب آگیا؟!
بزمِ گیتی میں دورِ خزاں کی قسم، رہ گیا تیری رحمت کا شاید بھرم
میں نے رکھا ہی تھا میکدے میں قدم، جھوم کر آسماں پر سحاب آگیا!
تیرے نشترِ حسیں، تیرے خنجر بسک، اب سرِ جامِ مے بھی ذرا وار کر
میری جانب سے دیکھ اے غمِ زندگی! تیری ہر بات کا یہ جواب آگیا!!
میری ہی شیشۂ دل کی پرچھائیاں شام تک لالہ و گل میں ڈھلتی رہیں
اے شبِ تار میری بلائیں تو لے، جہدِ ہستی سے میں کامیاب آگیا!!
شعبدہ باز خود باغباں بن گئے، کاغذی پھول ویرانے میں کھل اُٹھے
وحشیوں نے یہ سمجھا بہار آگئی، قسمتیں جاگ اُٹھیں، انقلاب آگیا!!
اے سلام! اب حریفوں سے کہہ دو ذرا، شعر و نغمہ کا طوفان پھر اُٹھ گیا
شاہدِ محفلِ لکھنؤ! شکریہ، میرے ہاتھوں میں پھر اک رباب آگیا!!

○

فضا کا ذکر ہے آغازِ گفتگو کے لئے
بہانہ چاہیئے کچھ شرحِ آرزو کے لئے

مرا ہی نام فسانہ نگار لیتے ہیں
خرابِ حسن و تباہِ مئے و سبو کے لئے

اسی کو کہتے ہیں سائے سے اپنے لڑجانا
کنارِ آئینہ آئے ہیں دو بدو کے لئے

شگفتہ پھول! ذرا اس طرف بھی ایک نگاہ
کلی جو شاخ پہ بے چین ہے نمو کے لئے

ذرا نہیں کسی مفلس کے خواب بتلا دو
تڑپ رہے ہیں جو دنیائے رنگ و بو کے لئے

آب آئینے سے زینہا گریز کرتی ہے
قبائے حضرتِ یوسف چلی رفو کے لئے

"سلام" داغ کی گلیوں میں کیوں تباہ ہوا
سوال ہے یہ، محبت کی آبرو کے لئے

○

گلوں کے دل کا حسیں غم بنا دیا کس نے
مرے ہر اشک کو شبنم بنا دیا کس نے
ہمارے دل کی کہانی تو اک حقیقت تھی
اسے فسانۂ مبہم بنا دیا کس نے
طلوعِ صبح نے بخشی تھی جو خوشی دل کو
قریبِ شام اسے غم بنا دیا کس نے
یہ آئینہ ہے، یہ تم ہو، یہ میں ہوں۔ اب یہ بتاؤ
تمہیں جوابِ دوعالم بنا دیا کس نے
گھٹائیں زُلف کی، آنکھوں کی جھیل، ہونٹ کے پھول
تمہیں بہارِ مجسّم بنا دیا کس نے
تمہارے سلمہ ستارہ بھرے دوپٹے کو
وہ ہم نہیں ہیں، تو پرچم بنا دیا کس نے
چلو، سلام کے اشعار کچھ نہیں لیکن
تمہیں حسینۂ عالم بنا دیا کس نے

جام صہبا موت کا رنگین پیمانہ بھی ہے
جانتا ہوں، پر یہ دنیا ایک میخانہ بھی ہے

روشنی برحق مگر انسان دیوانہ بھی ہے
زندگی کی ہر حقیقت ایک افسانہ بھی ہے

یہ مقابر، وہ مساجد اور یہ بُت خانہ بھی ہے
اس رہِ ہستی میں لیکن کوئی میخانہ بھی ہے؟

تلخ تر حالات میں پڑھئے تو لُطف آجائے گا
بندہ پرور زندگی رنگین افسانہ بھی ہے

میں بتاتا تجھ کو زاہد زندگی کے فلسفے
کیا کیا جائے کہ میرا ذوق رندانہ بھی ہے

عین جوشِ رقص و نغمہ، اُف یہ اک ہلکی سی آہ
آپ کی محفل میں شاید کوئی دیوانہ بھی ہے

جو ہوا اک رقصِ مسلسل، جو ہوا اک پُر نور گیت
سوچتی ہے شمع کوئی ایسا پروانہ بھی ہے؟

مرحبا اے عشق! تو خود حسنِ کامل بن گیا
آج اُن نظروں کا تیور کچھ رقیبانہ بھی ہے

آئیے، سج کر نکلئے، دہر پہ چھا جائیے
دل جسے کہتے ہیں وہ اک آئینہ خانہ بھی ہے

بندہ پرور! اگر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف
آپ آئے ہیں تو یہ دل ایک نذرانہ بھی ہے

آدمی کچھ اس طرح چُپ ہے مشینی دَور میں
جیسے یہ پُر نور دنیا ایک ویرانہ بھی ہے

"دَورِ جنگِ سرد" کے "ضدّی خداؤں" میں سلامؔ
جس کو جتنا ہوش ہے اُتنا ہی دیوانہ بھی ہے

○

آنسوؤں میں کوئی غنچہ نہ کِھلا میرے بعد
زندگی! کس نے ترا درد سہا میرے بعد

مطربِ عارض و گیسو نہ رہا میرے بعد
حُسن کے شہر کی سونی ہے فضا میرے بعد

کون اب حُسن کی تزئیں کا الم سمجھے گا
دل کہ آئینہ تھا وہ ٹوٹ گیا میرے بعد

لاکھ انگڑائی لو اب چاند کو چھونے کیلئے
خود تو کھلنے سے رہے بندِ قبا میرے بعد

یوں تو کِھلتے بھی ہیں، ہنستے بھی ہیں گلزار میں پھول
کوئی طوفانِ بہاراں نہ اٹھا میرے بعد

چھوڑ کر خلد کو آدم نے فرشتوں سے کہا
خود فسردہ سا نہ ہو جائے خدا میرے بعد

اے سلامؔ! آج کے باعزم جوانوں کے لئے
جلوہ نما ہیں مرے نقشِ کفِ پا میرے بعد

○

ہم پھر بھی اے نسیمِ گل بار، آدمی ہیں
مانا کہ خستہ دل ہیں بیمار آدمی ہیں
تم بزمِ سیم و زر کی تنہائیاں تو دیکھو
ہم مفلسوں میں اب بھی خوددار آدمی ہیں
آدابِ شہرِ گل کی یہ سختیاں مبارک
پر ہم بھی زندگی سے بیزار آدمی ہیں
تم تتلیوں سے بہتر، تم ناگنوں سے بڑھ کر
ہم بھی تو اے حسینو! فن کار آدمی ہیں
بن دیکھے رہ سکو گے اونچی نگاہ والو
ہم ایسے اس نگر میں دو چار آدمی ہیں
طوفان کا نظارہ طوفاں نہیں کرے گا
اے ناخدا، ندی کے اس پار، آدمی ہیں
حالانکہ ان کے فن سے حُسنِ خرد ہے ظاہر
پھر بھی سلام صاحب مے خوار آدمی ہیں

سوچتا ہوں رہ گیا بیکار دلّی شہر میں
دل ہوا جاتا ہے پھر بیمار دلّی شہر میں

لُٹ نہ جائے جذبۂ خوددار دلی شہر میں
ہو گیا ہوں اس لئے بیخوار دلی شہر میں

اُڑ رہے ہیں شعلہ ہائے آتشِ بے دود سے
خود مرے نازوں پلے اشعار دلی شہر میں

ہائے وہ اک طائرِ آزاد اپنے گاؤں کا
وائے یہ سونے کی اک دیوار دلی شہر میں

اب بھی اک طوفاں اُٹھا سکتا ہوں میں بعد از "مجاز"
کون ہوگا میرا ذمّہ دار دلی شہر میں

یاسمیں زار اودھ اور اُف وہ اسکی نکہتیں
ہائے یہ گل ہائے شعلہ بار دلی شہر میں

ہر طرف آئینہ خانے۔ آئینہ خانوں میں ہیں
مانی و بہزاد کے شہ کار دلی شہر میں

رقص میں ہیں ہر طرف زنجیر کرنے کے لئے
گیسو و چشم و لب و رخسار دلی شہر میں

کج کلاہانِ دیارِ دل بڑی حیرت میں ہیں
حسن خود ہے مائلِ گفتار دلی شہر میں

جام اٹھاتا ہوں تو ہنس کر کہتی ہے مے کی پری
کھو گئے شاید مرے سرکار دلی شہر میں

دیدنی تھی ملکۂ ممتاز حاضر کی قسم
اک نئے شاہِ جہاں کی ہار دلی شہر میں

مضطرب ہے آرزوئے رفعتِ موجِ خیال
محوِ حیرت ہے دلِ فن کار دلی شہر میں

یہ غزل۔ اور ہائے وہ دن جب یہ سوچا تھا سلام
مجھ کو لکھنا ہے کوئی شہکار دلی شہر میں ــــ!

○

ان غزالانِ طرحدار کو کیسے چھوڑوں
جلوۂ وادیِ تاتار کو کیسے چھوڑوں

درد آگیں ہی سہی بر بطِ پس منظرِ بزم
نشہ ہائے لب و رخسار کو کیسے چھوڑوں

اے تقاضائے غمِ دہر! میں کیسے آؤں
لذّتِ دردِ غمِ یار کو کیسے چھوڑوں

میں خزاں میں بھی پرستار رہا ہوں اس کا
موسمِ گل میں چمن زار کو کیسے چھوڑوں

اے مرے گھر کی فضاؤں سے گریزاں مہتاب
اپنے گھر کے در و دیوار کو کیسے چھوڑوں

ہائے دردِ دلِ بیزار کہ ہنگامِ خمار
دوست کہتے ہیں کہ میخوار کو کیسے چھوڑوں

آج تو شمع ہواؤں سے یہ کہتی ہے سلامؔ!
رات بھاری ہے میں بیمار کو کیسے چھوڑوں

○

وہ چاند، وہ گلاب، یہ جامِ سفال ہے
اب اے غمِ حیات! ترا کیا خیال ہے

وہ ہم ہیں جن کے دم سے یہ منظوم ہو گئی
ورنہ حیات کچھ بھی نہیں اک خیال ہے

ٹکراؤ دوست! جام کہ تم پُر خلوص ہو
یہ کون کہہ رہا ہے کہ شیشے میں بال ہے؟

مہتاب پہرے دار، گل و لالہ پاسباں
اُس جانِ رنگ و بو کی بڑی دیکھ بھال ہے

اب اپنا حال دیکھ کے ہوتا ہے یہ گماں
وہ زہرۂ جمال بھی افسردہ حال ہے

ہر موجِ فکر آتشِ بے دود بن گئی
اے روشنیِ طبع! ترا یہ کمال ہے

کیا زندگی بھی دیکھ سکے ہو سلام کی
اے ناقدانِ شعر! مرا یہ سوال ہے

ساقی! ہو اگر چشمِ کرم اور پئیں گے
ہاں اور ذرا اور، کہ ہم اور پئیں گے

اِن زُلفوں کی سوگند ابھی نشہ نہیں ہے
اِن مست نگاہوں کی قسم، اور پئیں گے

یہ عہد ہے اے ساقیِ مخمور! کہ جب تک
سُلجھیں نہ تری زُلف کے خم، اور پئیں گے

کہتے ہیں کہ یہ دَورِ محبّت کا نہیں ہے
رکھنا ہے غمِ دل کا بھرم، اور پئیں گے

آئے تھے تری بزم میں جس غم کو بھلانے
کچھ اور زیادہ ہے وہ غم، اور پئیں گے

اک شمعِ خرد ہے کہ فروزاں تھی، رہے گی
ہر چند بہکتے ہیں قدم، اور پئیں گے

ہم زہر کے امرت سے کھلاتے ہیں شگوفے
پھولوں کی قسم ساغرِ سم، اور پئیں گے

اربابِ زرد سیم کو ہر جام دکھا کر
خودداریِ رندی کی قسم، اور پئیں گے

جب تک سرِ افلاک خدا بن کے نہ ابھریں
انساں کے تخیّل کے صنم، اور پئیں گے

دُنیا! تری عظمت کی قسم زہر ہے صہبا
دُنیا! تری نفرت کی قسم، اور پئیں گے

ہر جام میں جب تک ترا نور ہو رقصاں
اے جلوہ گہِ دیر و حرم، اور پئیں گے

مزدور کے پیالوں کی تب و تاب سے جب تک
لرزندہ نہ ہو ساغرِ جم، اور پئیں گے

احساس پہ گھنگھور گھٹا چھا تو چکی ہے
جب تک کہ یہ پلکیں نہ ہوں نم، اور پئیں گے

بجھتی ہوئی اس شمع کی سوگند سلامؔ آج
جب تک کہ ہے ان آنکھوں میں دم، اور پئیں گے

○

نہ دردِ یادِ جاناں ہے، نہ دنیا ہی کا غم ساقی
اب اس سے بڑھ کے کیا ہوگا ترا حسنِ کرم ساقی

کہاں ہم اور کہاں یہ جلوہ ہائے جامِ جم ساقی
یوں ہی بس رکھ لیا کرتے ہیں جینے کا بھرم ساقی

نہیں، میں شادماں ہوں، زندگی پہ ہنس بھی سکتا ہوں
اب اس کو کیا کروں گر ہو گئی ہے آنکھ نم ساقی

نہ جانے زندگی کی کتنی مبہم رہ گزاروں سے
لئے پھرتی ہے مجھ کو تیری زلفِ خم بہ خم ساقی

زمانہ اڑ رہا تھا آسماں تا آسماں لیکن!
حضورِ جام و مینا ہو گئی رفتار کم ساقی

سویرا ہوتے ہوتے میکدے سے اٹھ ہی جاؤں گا
ابھی تھوڑا بہت باقی ہے ان آنکھوں میں دم ساقی

سلام اک "عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ" ہے
ابھی سے کس لئے ہے اسکے مرجانے کا غم ساقی ؟!

خوابوں نے انقلاب کے نغمے کو ڈس لیا
امواجِ گُل نے آگ کے شعلے کو ڈس لیا
ناگن سی کوئی شئے تھی کہ جس نے بہ لُطفِ خاص
احساس کو، خیال کو، جذبے کو ڈس لیا
دُنیا نے میرے سازِ تخیّل کو توڑ کر
پھولوں کے حُسن، چاند کے جلوے کو ڈس لیا
اے زعمِ فکر! اب تو مکمل سکوت ہے
خود شعلۂ رباب نے نغمے کو ڈس لیا
جیسے ہی شاخِ گل کو وہ چھو کر گزر گئے
بھونرے نے ایک تازہ شگوفے کو ڈس لیا
اب ضِد ہے آئینے سے کہ تیری ہی لاگ پر
زُلفوں نے اُڑ کے پھر مرے سینے کو ڈس لیا
کِن مشکلوں سے رات کٹی تھی مگر سلامؔ!
بادل نے پھر سحر کے دُھندلکے کو ڈس لیا!

○

سرحدِ فنا تک بھی تیرگی نہیں آئی
یوں بھی راس اندھیروں کی زندگی نہیں آئی

تم شراب پی کر بھی ہوش مند رہتے ہو
جانے کیوں مجھے ایسی مے کشی نہیں آئی

جس کی بھی تباہی ہو، کچھ اثر تو رکھتی ہے
آج میری حالت پر کیوں ہنسی نہیں آئی

اوس رات بھر برسی پھول رات بھر روئے
پھر بھی اُن کی پلکوں پر کچھ نمی نہیں آئی

اور بھی درخشاں ہو اے مرے نئے سورج!
اب بھی میرے آنگن میں روشنی نہیں آئی

رہروانِ دانش کی زندگی بتاتی ہے
کام کن منازل میں آگہی نہیں آئی

لوگ چار ہی دن میں بن گئے سلامؔ اے دل!
اور خود مجھے اب تک شاعری نہیں آئی!

○

تھوڑی دیر اے ساقی! بزم میں اُجالا ہے
جام خالی ہونے تک چاند ڈھلنے والا ہے
صبح کی حسیں کرنیں ناگ بن کے ڈس لیں گی
میں انھیں سمجھتا ہوں، میں نے ان کو پالا ہے
بزمِ نو کی شمعوں کو یہ خبر نہیں ہوگی
کس نے ظلمتِ شب کو روشنی میں ڈھالا ہے
کس نے خوابِ انساں کے نقرئی سفینے کو
سخت تر تلاطم کی زد میں بھی سنبھالا ہے
لوگ ہنس کے کہہ دیں گے میں خرابِ صہبا تھا
مے کدہ یہ خوش ہوگا اس کا بول بالا ہے
میری فکر کی خوشبو قید ہو نہیں سکتی
یوں تو میرے ہونٹوں پر مصلحت کا تالا ہے
میری موت اے ساقی! ارتقاءِ ہستی کا
اک سلام جاتا ہے ایک آنے والا ہے!

○

مرنا نہیں قبول مجھے بے دلی کے ساتھ
آ اے غمِ حیات! مگر دل کشی کے ساتھ

یہ شمع جام ہے تو اندھیرے کا غم نہیں
ڈھلنے دو سخت رات اسی روشنی کے ساتھ

یہ ابرِ خشک اور یہ ویراں فضا نہیں
ڈس اے نگارِ ماہ! مگر چاندنی کے ساتھ

اے دوستو! یہ بے رخی و بے دلی ہے کیوں
تم زہر دو مگر ذرا لب پر ہنسی کے ساتھ

چھوڑو نہ ساتھ نزہت و نکہت کا ساتھیو!
کانٹے ضرور رہتے ہیں پھول اور کلی کے ساتھ

میں چاہتا نہیں، کبھی احباب یہ کہیں
اک حسن کار چل بسا کس بے کسی کے ساتھ

کچھ زندگی بھی چھیڑ رہی ہے مجھے سلامؔ
کچھ میں بھی کم شریر نہیں زندگی کے ساتھ

میں گمشدہ ہوں مرا فن ہے دائمی لیکن
چراغ بجھ گیا باقی ہے روشنی لیکن

حسین آپ، حسیں زندگی، حسیں دُنیا
حسیں نہیں ہے مرا ذوقِ شاعری لیکن

چلو یہ ٹھیک ہے، میں کشتۂ شراب سہی
نظر تمہاری بھی ہے کچھ جُھکی جُھکی لیکن

جناب واقعی شہزادۂ بہاراں ہیں
حضور! آپ کی آنکھوں میں ہے نمی لیکن

تمہاری آنکھ میں کوثر کی لہر — خلد کا نور
ہم اس کو کہتے ہیں موجِ شراب بھی لیکن

حیات دردِ مسلسل ہے، آپ کہتے ہیں
اسی تڑپ میں وہ ہلکی سی نغمگی لیکن

مجھے یہ زعم کہ میں دردِ حُسن چھُو تو سکا
انھیں یہ ضد کہ مرا غم بھی ہے یہی لیکن

میں جانتا ہوں یہ کم بخت ایک ناگن ہے
بہت حسیں نظر آتی ہے زندگی لیکن

سلام! مجھ کو تو جیسی بھی ہے بہت ہے حیات
اُداس ہے نئی دُنیا کا فلسفی لیکن

ضیائے کعبۂ گیتی دوام ہے کہ نہیں
ہمارے قدموں پہ ماہِ تمام ہے کہ نہیں
زہے جلال و جمالِ ستارۂ عالم
رُکا رُکا فلکِ تیز گام ہے کہ نہیں
بہت لطیف ہے تزئینِ خلد اے مالک!
مگر یہاں بھی وہی انتظام ہے کہ نہیں
یہ کہکشاؤں کی بیلیں، یہ مہر و ماہ کے باغ
وہ خاص جنّتِ نادیدہ عام ہے کہ نہیں
جسے اُچھالی تھی ہم مے کشوں نے مستی میں
وہی شراب ثریا مقام ہے کہ نہیں
ہمارا قصّۂ نورِ خرد شباب پہ ہے
فسانۂ ہمہ جلوہ تمام ہے کہ نہیں
ہمیں تو تیرے ہی بربط کو گیت دینا ہے
مگر تجھے بھی ابھی ہم سے کام ہے کہ نہیں
عروجِ آدمِ خاکی کا جشن ہے معبود!
تری طرف سے بھی کوئی پیام ہے کہ نہیں
لگا رہا ہے مضامینِ نَو کے کون انبار
خبر کرو یہ ہمارا سلام ہے کہ نہیں!

○

اللہ اللہ اس قدر توبہ شکن ساون کی رات
بن گیا ہے میکدہ چرخِ کہن ساون کی رات
تیرے گھر برسے گی صہبائے "جمن" ساون کی رات
کہہ رہا ہے مجھ سے یہ اک برہمن ساون کی رات
کاش ہوتے ہم بھی اک میخوارِ صہبائے حیات
سوچتا ہوگا یقیناً اہرمن ساون کی رات
ایک شعلہ، ایک بجلی، ایک طوفاں کے لئے
منتظر ہے جیسے اک نازک بدن ساون کی رات

چھا گئی جمنا کے تٹ پر کرشن کی بنسی کی لَے
گوپیوں سے بھر گئے ہیں "برجے بن" ساون کی رات
سج رہی ہیں اپسرائیں بادلوں کی اوٹ میں
"اندرنگری" بن گیا سارا گگن ساون کی رات

موج میں ہیں تیر برسانے کی، جیسے کام دیو
چل رہی ہے پریم میں ڈوبی پَوَن ساون کی رات
میں نے بس اتنا کہا تھا، کتنی سُندر ہے یہ رُت
بھر گئے ہیں مَد سے خود اُن کے نَیَن ساون کی رات

میں نہ کہتا تھا کہ اک شہزادۂ تخئیل ہوں
کِھل گیا ہے میرے گھر آخر چمن ساون کی رات
حکم دو، میں زندۂ جاوید کردوں حُسن کو
بن گیا ہُوں ایک معبودِ سخن ساون کی رات
——— ہائے وہ "تلیا" وہ "پلٹا باغ" مچھلی شہر کے
یاد آتا ہے سلام! اپنا وطن ساون کی رات

○

شعلوں کی زد میں پھولوں کا دامن سنبھالنا
اے اندر دیوتا! مرا گلشن سنبھالنا

جو بجلیاں کہ ہونے لگی ہیں گلے کا ہار
ان بجلیوں سے اپنا نشیمن سنبھالنا

مہکے ہوئے گلاب ہیں چھلکے ہوئے رباب
سپنوں کا باغ گیتوں کا مدھ بن سنبھالنا

اس رت میں میرے جیب و گریباں کے ساتھ ساتھ
تازہ سمن بروں کی بھی چلمن سنبھالنا

تم اپنی بجلیوں کی نزاکت کو دیکھ لو
ہم جانتے ہیں اپنا نشیمن سنبھالنا

شعلوں کا وار میرے لئے موجِ بوئے گل
پھولوں کا وار اے حسیں دشمن سنبھالنا

ہم منزلِ عوام ہیں اے تازہ فلسفو!
تم بھی ذرا غریبوں کا جیون سنبھالنا

ان ناقدوں کی یورشِ پیہم کے باوجود
معبودِ شعر و نغمہ! مرا فن سنبھالنا!

شعرا کے انتخابی سلسلے کا

پہلا سیٹ

اختر شیرانی　　فیض　　مجاز　　مخدوم

جذبی　　احمد ندیم قاسمی　　آزاد　　کیفی

عرش　　وجد　　مجروح　　اثر

ہر انتخاب کی قیمت بارہ آنے ہے

انجمن ترقّی اردو (ہند) علی گڑھ

سلام مچھلی شہری یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو محلہ مولویانہ، قصبہ مچھلی شہر ضلع جونپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اور یہیں اپنے والد عبدالرزاق صاحب مرحوم کی خواہش کے مطابق قرآن شریف حفظ کیا۔ اردو مڈل میں اچھے نمبروں سے پاس ہوئے اور سرکاری وظیفہ حاصل کیا۔ ۱۹۳۵ء میں انگریزی تعلیم کے لیے فیض آباد (اودھ) گئے اور یہیں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ نارمل ہائی اسکول فیض آباد سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے علاوہ اردو اعلیٰ قابلیت اور دوسرے امتحانات پاس کیے۔ ۱۹۴۲ء میں محلہ مولانا قصبہ مئو ائمہ (الہ آباد) کے ایک مولوی گھرانے میں شادی ہوئی۔ اسی سال یونیورسٹی لائبریری الہ آباد کے شعبہ مشرق میں ملازم ہوئے یہاں آپ کو لکھنے پڑھنے کے مواقع ملے۔

۱۹۳۹ء میں آپ نے پہلا مجموعہ کلام "میرے نغمے" دو حصوں میں ترتیب دیا۔ پہلا حصہ "پھول" اور دوسرا "انگارے" تھا۔ "انگارے" کا حصہ سامراجی دور کے ظلم و ستم کا شکار ہوگیا اس لیے صرف رومانی نظموں کا حصہ لکھنؤ سے چھپ سکا۔ دوسرا مجموعہ کلام "وسعتیں" مکتبۂ اردو لاہور سے شایع ہوا۔ ۱۹۴۳ء میں ساقی بک ڈپو دہلی سے گیتوں کا مجموعہ "پائل" شایع ہوا۔ اسی دور میں ایک ناولٹ بھی "بازوبند" کے نام سے لکھنؤ سے شایع ہوا۔ ۱۹۴۳ء کے شروع میں آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں کام کیا۔ اسی سال ہزماسٹرز وائس برانچ لکھنؤ اور بی۔ بی۔ سی (لندن) نے بطور شاعر اور گیت کار عارضی کنٹریکٹ دیا اور اسی سال لکھنؤ یونیورسٹی کے آرگن "مضراب" کے اعزازی مدیر بنائے گئے۔

۱۹۵۱ء میں آل انڈیا ریڈیو نے اسپیشل ڈیپوٹیشن پر ریڈیو کشمیر سری نگر میں بطور فیچر رائٹر بھیجا۔ اس کے بعد لکھنؤ ریڈیو اور پھر آل انڈیا ریڈیو دہلی میں تبدیل کردیے گئے۔ آج کل آپ آل انڈیا ریڈیو میں "اردو مجلس" سے متعلق ہیں۔ دلی کے دوران قیام میں آپ کی دو کتابیں "تین ہیرے" شمع بک ڈپو دہلی اور ریڈیائی ڈراموں کا ایک مجموعہ "اجنتا کی گونج" ہندی میں ہنگ مین اینڈ کمپنی دہلی سے شایع ہوچکی ہیں۔